باب۔12

انسان

انسان کو قوتِ غضبی، شہوی و علمی دی گئی ہے۔ پس اگر قوتِ علمی مغلوب ہو جائے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ اور اگر قوتِ علمی غالب ہو جائے اور معرفتِ الٰہی اور تخلق باخلاق اللہ سے متصف ہو جائے، تو وہ فرشتوں سے بھی بہتر ہو جاتا ہے۔ اور عوالم علوی و سفلی پر حکومت کرتا ہے۔

ہر چند، ذرّہٴ بے مقدار سے خورشید پُر انوار تک جو کچھ ہے، وہ ذاتِ حق اور اسمائے الٰہیہ کے مظاہر ہیں، مگر کسی مخلوق میں سوائے حضرتِ انسان کے مظہرِ تام اور منبع جمیع اوصاف بننے کی قابلیت نہیں۔ کیوں کہ غیر انسان میں صفات ظاہر اور بعض مخفی رہتے ہیں۔ خود انسان کے افراد بھی ایک دوسرے کے لحاظ سے ظہور کمالات میں فرق عظیم رکھتے ہیں۔

انسان دائرہ امکان کے قوسِ نزولی و صعودی کو طے کرتے ہوئے انتہائی نقطہٴ قوس تک پہنچ جاتا ہے تو عالم صغیر بلکہ عالم کبیر کی جان یا اس کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہ امر حضرتِ انسان سے خاص ہے۔ لہٰذا وہی تاجِ خلافت سے سرفراز و ممتاز ہوتا ہے۔

حقائقِ اشیاء کا جاننا، معرفتِ الٰہی سے ممتاز ہونا، اپنی عدمیت ذاتی کا سمجھنا، اپنے افعال و صفات و ذات کا فنا کرنا، اور مظہر جمیع اسماء صفاتِ الٰہیہ ہونا، اور باقی بہ بقائے حق رہنا، انسان اور صرف انسان کا کام ہے۔

12.1 **ارتقاء:**

مبدء و معاد کا سمجھنا، مراتب کا جاننا، اعتبارات میں امتیاز کرنا، اقتضاء کا لحاظ رکھنا، اور ہر شے کو اس کا حق ادا کرنا، انسان کا کمال ہے۔ چند مادّیات کے تعلقات کے متعلق واہی تباہی ڈھکوسلے

لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو بوزینہ زادہ سمجھا، مبارک۔ غضب الٰہی سے انسان بندر کی صورت میں مسخ شدہ ہو گا، مبارک۔ ہم غریب، خاک زادے ہیں۔ تمھارے پاس مسئلہ ارتقاء ہے۔ ہمارے پاس دائرہ وجود کی قوسِ نزولی وصُعودی ہے۔

سنو! کس کا احاطہ زیادہ ہے۔۔؟

- ایتھر، نبولا، مادّہ کی مشتعل حالت، سرد حالت، ۹۲ عناصر، نباتات، حیوانات، ان میں کیڑے مکوڑے، خنزیر، بہائم، بندر، گوریلا، انسان اور بس ختم۔ اسی پر اتنا شور۔۔۔! علم کے دعوے۔۔۔! بس معلوم۔۔۔!

- اب سنو! ذاتِ حق، احدیت، وحدت، واحدیت، اسماء الٰہیہ، اعیان ثابتہ، اعیان پر اسماء کا پرتَو، علم سے قدرت کا اجتماع، ارواح، مثال، جوہر ہبا، اجسام: مشتعل حالت میں نار، گیس حالت میں ہوا، مائع حالت میں پانی، جامد حالت میں مٹی، بسائط، مرکبات، جمادات: ان میں سے آخری مرجان، نباتات: ان میں سے آخری کھجور کا درخت، (آخر سے میری مراد بہ اعتباراتِ کمالات کے ہے)، حیوانات: ان کے آخر میں بندر، گوریلا، اور انسان: ان میں عقلِ سادہ۔۔۔ یہ انتہائے قوس نزولی ہے۔

- عقل فعال، عقل بالملکہ، عقل مستفاد۔ یا ہماری روش کے مطابق کافر، مومن: ان میں فاسق، صالح، فانی بفعل اللہ، فانی فی صفت اللہ، فانی فی ذات اللہ۔ باقی، بقا باللہ۔ یا یوں سمجھو کہ جن مراتب میں نزول کرتا گیا تھا، ان ہی مراتب سے واپس صُعود کرتا جاتا ہے۔

  یا یوں کہو کہ پہلے قیود کے پردے پڑتے گئے تھے۔ اب رفعِ قیود ہوتا چلا جارہا ہے۔

  پہلی قوس، نزولی تھی۔ دوسری قوس، صُعودی ہے۔ دونوں کا مجموعہ، دائرۃ الوجود ہے۔

الحمد للہ اولاًوّ آخراً وّ ظاھراً وّ باطناً۔

نقطے کا مادّہ، جامد کے قریب قریب ہے۔ انسان تک اس کے مختلف اطوار کا بدلنا ظاہر ہے۔ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ۔ یَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (الطارق:۶ اور ۷)۔ انسان اور حیوانات کی اصل

مٹی کا ہونا قطعاً ہے۔ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ(الحجر:۲۸)۔ عالم کا جوہر ہبا سے جمادات، پھر نباتات، پھر حیوانات، پھر انسان تک ترتیب پانا، غیر مختلف فیہ۔ اب اگر خدائے تعالیٰ نے انسان کو خاک سے ایسا پیدا کیا ہو جیسے، حشرات، کیڑے مکوڑے، جوئیں، کھٹمل، سانپ اور بچھو کو بِلا توسط نباتات، بننے کے پیدا کرتا ہے تو بالکل ممکن ہے اور خدا کو کچھ دشوار نہیں۔ وَاللَّـهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(البقرۃ:۲۸۴، آل عمران:۲۹،۱۸۹اور المائدہ:۱۷،۱۹) ۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ پہلے مچھلی، پھر خنزیر، پھر کیا کیا، پھر بالا رام یعنی انسان کامل اور آخر رام یعنی خدا، جیسا اہلِ ہند کا خیال ہے۔ تم سے تو بہتر یہی ہیں کہ رام تک تو سلسلہ پہنچا دیا۔

اصل یہ ہے کہ نطفے اور مٹی کا ذکر اس لیے کیا جاتا ہے کہ انسان غرور نہ کرے۔ اپنی اگلی ذات کی حالت کو خیال میں رکھے۔ کیا مذہب، مادّی فلسفہ ہے کہ ان مسائل کی تحقیق میں اپنا وقت ضائع کرے؟

مذہب میں خدا اور روح اور مبدء و معاد کے متعلق مسائل اہمیت رکھتے ہیں۔ سائنس و فلاسفی کے عقلی ڈھکوسلوں میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے۔ ان سے ہم کو بحیثیت مذہب کوئی غرض نہیں، نہ اثباتاً نہ نفیاً۔ ان عقلی ڈھکوسلوں سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس چیخ و پکار سے بعض مذہبی لوگ ہیں کہ سہمے جا رہے ہیں۔ یا لڑے اور بگڑے جا رہے ہیں۔ یہ بوزینہ زادے، ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

خدا کی طلب، پیغمبر کا وسیلہ، ہماری فطرت میں ہے۔ دنیا ایک طرف ہو جائے، ہزار ہا دلائل لائے، بھلا ہماری اس بھوک و پیاس کو، ہمارے وجدان کو، کیا جھٹلا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ تم سوچ رہے ہو۔ ہم محسوس کر رہے ہیں۔ تمھاری فکر ہی ہمارا وجدان ہے۔ دونوں میں بھلا کیا جوڑ؟ تمھاری فکر تم کو پریشان کر دے گی۔ ہمارا وجدان انشاء اللہ اطمینان لائے گا۔ تم ظلمت میں ٹھٹک کر رہ جاؤ گے۔ ہم نور میں بحمد اللہ بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

Sdaqu Publications

12.2 انسان کامل بالذات:

ذیل کے اشعار،

مقصد خلق جہاں مرآت اسماءوصفات　　زینت افزائے سریر وافسر شاہانہ ہم
آفریں آفرینش زیب اورنگ شہی　　نور چشم صاحب خانہ چراغ خانہ ہم

حقیقتاً صرف ذات، سامی صفات، حبیب خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔

انسان کامل بالعرض: انسان کامل بالعرض، ہر زمانے میں رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتَو سے آپ کی حقیقت کا خلیفہ و قائم مقام رہا ہے، اور رہے گا۔ جب انسانِ کامل عالم شہادت میں باقی نہ رہے گا جو محل نظر الٰہی ہے، تو قیامتِ کبریٰ ہو جائے گی۔

12.3 صاحبِ وحی، نبی، رسول:

ہر شریف آدمی انعام منعم کا شکر، احسان محسن کا اعتراف لازمی سمجھتا ہے۔ بادشاہ، ماں، باپ، شوہر کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے۔ یہ کیوں؟ بادشاہ، ماں، باپ، شوہر اس کی پرورش کرنے والے ہیں۔ تو کیا وہ رب العالمین واجب الاطاعت نہیں، جس نے ہم کو نیست سے ہست کیا، پالا پوسا؟ ہم امدادِ وجود میں جس کے ہر آن و ہر لحظہ محتاج ہیں۔ بظاہر ہمارا جو کچھ ہے، سب اس کا ہے۔

سپاہی کو سرکار ۱۵، ۲۰ روپے ماہوار دیتی ہے، تو ضرورت پر جان دینا اس کا فرض ہوتا ہے۔ ضرورت پر ادائے فرض سے جی چرائے تو گولی مار دینے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا خدا کی معرفت اور اس کے احکام کی اطاعت ہمارا اولین فرض نہیں؟ کیوں نہیں؟ باغی ہے وہ جو خدا کو خدا نہ سمجھے۔ مجرم ہے وہ جو اس کے احکام کی تعمیل و امتثال نہ کرے۔

ہر شخص بادشاہ سے براہ راست احکام حاصل کر سکتا ہے۔۔؟ ہرگز نہیں۔ درمیان میں ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بادشاہ سے قربت ہو۔

اسی طرح پیغمبروں کو خدا کی قربت، بندوں کی صحبت رہتی ہے۔ وہ، جہتِ قربِ الٰہی سے اخذِ وحی کرتے ہیں اور جہت و معیت سے بندوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔

ذرا غور کرو! جمادات و نباتات کے درمیان یا حجر و شجر میں برزخ وواسطہ، مرجان ہے۔ شجر و حیوان کے درمیان کھجور کا درخت یا لجالو (شرمندی یا چھوئی موئی) ہے۔ حیوان و انسان کے درمیان مسٹر گوریلا، ابوڈارون ہے۔ اسی طرح انسان و مجردات کے درمیان پیغمبر ہوتے ہیں۔ پیغمبری کوئی کسبی شے نہیں، بلکہ فطری و طبعی رتبہ ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کی فطرت ہی اعلیٰ پیدا کرتا ہے۔ اللّٰـهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ(الانعام:۱۲۴)۔ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰـهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ(الجمعہ:۴)۔

12.4 پیغمبر:

پیغمبر یا رسول وہ عالی فطرت انسان ہے جو وحیٔ الٰہی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پیغمبر بے خطا، بے گناہ، معصوم، صادق اور امین ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کو معجزات عطا فرماتا ہے، تاکہ تبلیغ الٰہی کی حجّت، خلق اور امّت پر قائم ہوسکے۔ اور پیغمبر کی دعوت اور اس کی تبلیغ و قبول میں سہولت و تقویت ہو۔

کیا فرق ہے رسول و نبی میں۔۔؟ رسول، صاحبِ شریعت تازہ ہوتا ہے۔ اور نبی تابعِ رسول۔ مگر ہوتا صاحبِ وحی ہے۔

12.5 ولی، مصلح، ساحر:

کیا فرق ہے مصلحِ قوم اور پیغمبر میں۔۔؟ مصلحِ قوم، صاحبِ عقل ہوتا ہے اور پیغمبر صاحبِ وحی۔ مصلح کے مدّ نظر خیرِ دنیوی ہوتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ پیغمبر کے توسط سے خیرِ دارین اور بہبودیٔ دنیا و آخرت اور صلاح و فلاح عطا فرماتا ہے۔

کیا فرق ہے نبی اور ولی میں۔۔؟ نبی، صاحبِ وحی ہوتا ہے جو قطعی و یقینی امر ہے۔ اور ولی، صاحبِ الہام ہوتا ہے، جس کا قطعی و یقینی ہونا ضروری نہیں۔ وحی، دوسروں پر حجّت ہے اور الہام حجّت نہیں۔ انکارِ وحی کفر ہے۔ انکارِ الہام فیض سے بد نصیبی ہے۔ نبی تحدّی و دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ ولی کو دعوائے ولایت ضروری نہیں۔

نبی وساحر دونوں سے خوارق عادات نمایاں ہوتے ہیں، پھر ان میں مابہ الامتیاز کیا شے ہے۔۔؟ نبی، صفاتِ طیبہ و فضائلِ خصائل سے آراستہ ہوتے ہیں۔ امّت کی فلاح دارین کے سوا ان کو ذاتی غرض کچھ نہیں ہوتی۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَـٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (الکھف:٦)۔

نبی ورسول، مامون من اللہ ہوتے ہیں۔ نسبت الی اللہ ان کے روئے تاباں سے ظاہر ہوتی ہے۔ منکرین کا عموماً یہ وطیرہ رہا کہ وہ پیغمبروں کو نعوذ باللہ جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اسی طرح کے منکرین میں سے ایک شخص نے جب محمد رسول اللہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو بے اختیار بول اُٹھا، ما ھٰذابوجه كذّاب، یعنی یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ دشمن بھی ان کو امین سمجھتے ہیں۔

اظہارِ معجزہ میں نبی کے ارادے کو دخل نہیں۔ معجزہ، خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بہ خلاف ساحر کے کہ اس کا مقصد اپنی ذاتی غرض رہتی ہے۔ قوم کی درستی و اصلاح سے اس کو کوئی غرض نہیں۔ خدا سے اس کو کیا مطلب، آخرت سے اس کو کیا سروکار؟ اکثر سحر سے لوگوں کے سامنے ایک قسم کا تخیل پیدا ہوتا ہے، اور نفس الامر میں شے اپنی حالتِ اصلی پر باقی رہتی ہے۔ جب کہ معجزے سے نفس شے بدل جاتی ہے۔ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ (طٰہٰ:٦٦)۔ دیکھو یہاں صرف تخیل اثرِ سحر ہے۔ اور، فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (طٰہٰ:٢٠)۔ دیکھو یہاں معجزے سے انقلاب حقیقت ہے، تصرفِ نفس الامری ہے۔ غرض کہ چند چیزوں کے مجموعے اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص نبی ہے یا ساحر ہے۔

کیا فرق ہے سحر و معجزے و کرامت میں۔۔؟ سحر میں ارواحِ خبیثہ یا ارواح نباتات یا ارواحِ نجوم سے مدد لینا یا خود اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا ہوتا ہے۔ خیال بڑی زبردست قوت ہے۔ اس کو ایک مرکز پر قائم کرنے اور ترقی دینے سے بڑے بڑے عجائب رُونما ہوتے ہیں۔ عجیب وغریب تماشے نظر آتے ہیں۔

جس طرح نبی کے فعل کو معجزے میں کوئی دخل نہیں اسی طرح کرامت میں ولی کے فعل کو کوئی دخل نہیں۔ طے الارض یعنی تھوڑی مدت میں بڑا فاصلہ طے کرنا، اشراف علی الخاطر یعنی دلوں کے خیالات کہہ دینا، کچھ ماضی کچھ مستقبل کے واقعات کا بیان کر دینا، توجہ نفس یا قوتِ ارادی، وِل پاور سے کسی کو بے ہوش کر دینا، یہ سب ریاضتِ نفس اور کشف کونی کا نتیجہ ہے۔ یہ تو ہپناٹزم والے بھی کرتے ہیں۔ ان امور کو ولایت و قرب الٰہی سے کیا تعلق! اگر کوئی چیز بندے کی تکریم کے لیے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو تو هَـٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي (النمل:۴۰) ہے۔

ریاضتِ بدنی کی مشق بڑھا کر کرنٹ اور سرکس والے عجیب و غریب کرتب دکھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ نفسانی سرکس یا پہلوان اپنی نفسانی قوتوں کو بڑھا کر ان کے کمالات دکھاتے ہیں۔ مگر اس کو خدارسی سے کوئی علاقہ، کوئی ربط نہیں۔ ڈاکٹر سینڈو، اپنے مذہب کے اثبات میں اپنی شہ زوری دکھائے تو کیا درست ہے۔۔؟

راما مورتی ہندو مذہب کے اثبات میں یہ پیش کرتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے پتھر کو سینے پر اُٹھا لیتا ہے۔ ایک یہودی اپنے مذہب کی تائید میں کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دھرا کیا ہے۔ مفلس قلاش ہیں۔ اسلام حق ہوتا تو وہ یوں بدحال نہ ہوتے۔ دیکھو میں یہودی ہوں۔ کروڑ پتی ہوں۔ خدا نے مجھے اتنی دولت دے رکھی ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس بھی نہیں۔ دول یورپ عیسائی مذہب کی حقانیت پر استدلال کرتے ہیں کہ عیسائی مذہب حق نہ ہوتا تو دنیا کے مالک ہم نہ ہوتے۔ تمام اقوام ہمارے سامنے سرنگوں نہ ہوتیں۔ ہم نے ایشیا، افریقہ، امریکہ کے باشندوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ان کے دیوتاؤں کی ہماری مخالفت میں ایک نہیں چلتی۔ لاکھ چیختے ہیں، چلاتے ہیں، کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اسی طرح نیچر پرست یا ناخدا شناس بھی کہتے ہیں کہ بخت نصر نے یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بت پرست بادشاہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا کیا مظالم نہیں توڑے! وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ، یہ زمانہ ہے، ہم اس کو باری باری گردش دیتے ہیں لوگوں کے درمیان (آل عمران:۱۴۰)۔

دنیا محلّ ابتلاء ہے۔ نحن معاشر الانبیاء اشدالناس بلاءالامثل فالامثل (ہم گروہِ پیغمبر سخت تر ہیں بہ اعتبار مصائب اٹھانے کے)۔

ثابت قدمی عشق کی ان کو بھی ہو ثابت
وہ ظلم اگر کرتے ہیں بے جا نہیں کرتے حسرتؔ

یہ دنیا ومافیہا، معیارِ عزت ہی نہیں۔۔۔ وَلِلّٰـهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:۸)۔

علم حق اور عبودیت، معیارِ کمال ہے۔

اسپریچوئلسٹ (spiritualist)، مسمریزم والے، ہزارہا شعبدے دکھاتے ہیں۔ تو کیا ان کے تمام دعاویٔ باطلہ صحیح ہو جائیں گے؟ کیا وہ ولی یا نبی ہوں گے۔۔؟ توبہ، توبہ۔ یہ سب کھیل تماشے ہیں۔ لہو لعب ہیں۔ ان کو خدا طلبی، خدا پرستی سے کیا واسطہ، کیا تعلق! یہ سارے شیطان کے دھوکے ہیں۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰـهِ الْغَرُوْرُ، اور نہ وہ دھوکے باز (شیطان) تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دے (لقمان:۳۳ اور فاطر:۵)۔۔۔ آئندہ دجّال سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ ایسے ضعیف الایمان لوگوں کا حشر اس وقت معلوم نہیں کیا ہو گا!

عملیات پڑھ کر، اشغال مفیدہ کر کے کسی کو نقصان یا نفع پہنچا دیا۔ یا کسی کو اسم الٰہی پڑھ کر مار ڈالا، تو قطعاً، یقیناً یہ بھی قتلِ نفس ہے۔ ایک شیر خوار بچے کو ایک بہت بڑی تقطیع کے سنگین قرآن مجید سے مار مار کر قتل کر ڈالا، تو کیا قرآن شریف کا واسطۂ قتل ہونا عذر ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں، ہر گز نہیں۔

افسوس، صد افسوس کہ لوگ کھیل تماشوں، نفس کے شعبدوں میں ایسے پھنس گئے ہیں کہ ان کو خبر تک نہیں کہ ہم کیوں پیدا کیے گئے ہیں۔ ہمارا فرض کیا ہے؟ خدائے تعالیٰ نے ہم کو اپنی عبدیت کے لیے پیدا کیا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)۔ توحید اسلام کا فرض اولین ہے۔ پھر توحید فی الارادہ اور اپنے آپ کو تحتِ ارادۂ الٰہی کر دینا کدھر ہے؟ بندے ہو کر خدائی دعویٰ، استغفر اللہ۔ ہائے ان مدعیانِ الوہیت کو بندگی کا مزہ نہیں ملا۔ ورنہ خدائی کا دعویٰ نہ کرتے۔

Sajjad Publications

مجھ کو مری بندگی مبارک   تجھ کو تری شانِ کبریائی

اپنے ارادے سے کوئی اچھا کام کرنا قُرب نوافل سے ہے۔ خدائے تعالیٰ کے تحتِ امر کام کرنا قُرب فرائض سے ہے۔ انبیاء و مرسلین اور اولیائے کاملین کے کام قُربِ فرائض پر مبنی رہتے ہیں۔ تمام عمر کے نوافل، دو رکعت فرض کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ہمارے پاس علم صحیح، معیار کمال ہے۔ اعتقاد میں توحید، اعمال میں اخلاص، ہمارا سرمایۂ نجات ہے۔

12.6 ولایت:

بعض دفعہ قُربِ الٰہی کو ولایت کہتے ہیں۔ پس ولی اس معنٰی کے لحاظ سے انبیاء و اولیاء متبعین دونوں سے عام ہے۔ لہٰذا انبیاء میں دو جہتیں ہوتی ہیں۔(۱) جہتِ قرب الٰہی یا ولایت، جس سے اخذِ وحی کرتے ہیں۔(۲) جہتِ قرب خلق یا نبوت، جس سے تبلیغ کرتے ہیں۔ پس، الولایۃ افضل من النبوۃ کے معنٰی یہ ہیں کہ پیغمبر کی جہتِ حق، جہتِ خلق سے افضل ہے۔ نہ یہ کہ اولیاء تابعین، انبیاء متوسلین سے افضل ہیں۔

12.7 فنائے افعال، صفات و ذات:

بار بار اسمائے الٰہیہ کو پڑھنے اور ان کا ذکر کرنے سے اُن اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ ان سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کا یقین ہوتا ہے۔ مخلوقات کے افعال فنا ہوتے ہیں تو خالق کے افعال نمایاں ہوتے ہیں۔ مثلاً، لوگوں کی رزاقیت نظر سے ساقط ہوتی ہے تو خدا کو رزاق مانتا ہے۔ اس کی رزاقیت کا یقین ہوتا ہے، رزاقیت کو اسی میں منحصر سمجھتا ہے۔ خدا کی رزاقیت تجلّی کرتی ہے۔ اسمائے افعال وہ ہیں جو دوسروں پر اثر کریں۔ اور اس کو تجلّیٔ فعلی کہتے ہیں۔ جیسے،

خالق، محی، رب، معز ،مذل ، ممیت - لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس کے بعد اسمائے صفات کی باری آتی ہے۔ ماسوائے اللہ کے صفات، نظر سے گر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے صفات کی طرف سالک کی توجہ ہوتی ہے۔ اور اس پر صفاتِ الٰہیہ کی تجلّی ہوتی ہے۔ اور وہی سب میں نمایاں ہوتے ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ اصل اور صفاتِ مخلوقات، فرع

معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک میں کمالاتِ حق کا ظہور ہوتا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ(کئی آیات میں)، الْحَيُّ الْقَيُّومُ(البقرۃ:۲۵۵ اورآل عمران:۲)، وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّـهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ(التکویر:۲۹)، الْحَمْدُ لِلَّـهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحۃ:۲)۔

اس کے بعد فنائے ذات کا مرتبہ ہے۔ ممکن کے عدم اصلی، نیستیٔ ذاتی کا تعین ہوتا ہے۔ ذات، ذاتِ حق مشہود ہوتی ہے۔ وجود، وجودِ حق معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک غشی یا موت طاری ہوتی ہے۔ موتِ اضطراری میں عالم دنیا کا علم نہیں رہتا۔ عالم برزخ کا انکشاف ہوتا ہے۔ مگر اس موتِ اختیاری میں تو غریب کا کہیں پتہ نہیں رہتا۔ عالم برزخ کا انکشاف ہوتا ہے۔ مگر اس موت اختیاری میں تو غریب کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ حق، حق رہ جاتا ہے۔ باطل، باطل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس پر اسم "ولی" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے ابرار، اخیار، اتقیاء اور اصفیاء میں شامل تھا۔ اب زمرۂ اولیاء میں داخل ہوتا ہے۔ پھر ہوش آتا ہے، بے خودی سے خودی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کو بقاء کہتے ہیں۔ پہلے عبد کو رب سے، بندے کو آقا سے جدا سمجھتا تھا۔ اب اس کا مظہر مجلیٰ تجلّی گاہ جانتا ہے، اور تجلّی گاہ ہو جاتا ہے۔ آفتاب کا نور، قرص قمر پر پڑتا ہے تو وہ بھی تاباں ہو جاتا ہے۔

کیا ہر وہ شخص جو بے ہوش ہو جائے، ساری دنیا کی اس کو خبر نہ رہے، فانی فی اللہ ہے۔۔؟ بے ہوشی تو کلوروفارم سے بھی ہو جاتی ہے۔ لٹھ کی مار لگ جاتی ہے تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ایسی بے ہوشی سے حاصل؟ اس طرح تو اچھے بھی بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بُرے بھی۔ کافر پر بھی غشی آتی ہے اور مسلمان پر بھی۔ یہ بے خودی بے نتیجہ، بے فائدہ ہے۔ فنا کی بے خودی میں سرمایۂ علوم ہے، خزانۂ معارف ہے۔ عین الیقین ہے، حق الحق ہے۔ قمر اگر محاذاتِ شمس کا دعویٰ کرے تو اس کا نور بھی تو دکھادے۔ نزولِ باران توحید ہوا ہے تو بردیقین اور سرسبزیٔ قوائے باطنہ بھی تو ہو۔

تا کہ چو دِرائے کردن افغان و خروش   یک دم شوازیں ہرزہ درائی خاموش
گنجینۂ در ہائے حقائق نہ شوی   مادام کہ چوں صدف نگرذی ہمہ گوش   جامیؔ

ایک بات یاد رکھو کہ نفل نمازیں اپنی خوشی، اپنے ارادے سے پڑھی جاتی ہیں۔ اگر ایک شخص رات بھر نوافل پڑھے اور صبح کے وقت سو جائے اور صبح کی دو رکعت فرض نہ پڑھے، اور دوسرا رات بھر سوتا پڑا رہے اور صبح کی دو رکعتیں فرض پڑھ لے، تو مقدّم الذکر سے مؤخر الذکر قطعاً افضل ہے۔

جو شخص اپنی خوشی سے ریاضتیں کرتا ہے، اذکار و اشغال میں مصروف رہتا ہے، خدا اس کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ اس کے مقاصد پورے کرتا ہے۔ جو مانگتا ہے خدا اس کو دیتا ہے۔ ایسے شخص کو صاحب قُربِ نوافل کہتے ہیں۔ اور جو شخص تحتِ امر الٰہی رہتا ہے، خدا جو حکم دیتا ہے، خواہ وحیٔ نبی کے ذریعے سے، خواہ خود اس پر القاء و الہام سے، ایسے شخص کا نہ کوئی مقصد ہوتا ہے نہ مراد۔ بندگی اس کا شیوہ ہے۔ توحید فی الارادہ اس کے اعمال کی روح ہے۔

مقصود و مراد وہی ہے جو مطلب ہے یار کا
میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں حسرتؔ

ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ اسی سے سب کو امداد ملتی ہے۔ نام اس کا ہے اور کام خدا کا۔ ایسے شخص کو صاحبِ قُربِ فرائض کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض دین کی حمیت و غیرت میں امتیاز رکھتے ہیں۔ منکرین حق پر تیغِ برہنہ رہتے ہیں۔ ان اولیاء کو نوحی المشرب یا تحتِ قدم نوح کہتے ہیں۔ بعض جوش محبت سے بھرے رہتے ہیں۔ محبوب کی طلب میں گریہ وزاری، چیخنا چلّانا ان کا کام ہے۔

رو رو کے رات کاٹی پھر پھر کے دن گزارا
اے جاں یہ ماجرا ہے میرا تری گلی میں حسرتؔ

ان کو موسوی المشرب یا تحتِ قدم موسیٰ کہتے ہیں۔ بعض کا کام رضا و تسلیم ہے۔ ان لوگوں کے بڑے امتحان ہوتے ہیں۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ(البقرۃ:۱۵۵)۔ یہ پاس ہو جاتے ہیں اور کامیابی کا تمغہ ان کے سینے پر لگایا جاتا ہے۔ ان کو

ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔ بعض اولیاء توحید میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کو ان کے محبوب کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ان اولیاء کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

یارب مددے کزخودیٔ خود برہم　　واز بد ببرم و از بدیٔ خود برہم
در ہستی خود مراخونہ بے خود کن　　تا از خودی و بے خودیٔ خود برہم

بعض اولیاء، اقتضائے وقت کے تابع رہتے ہیں۔ نہ ان کا کوئی ارادہ ہوتا ہے، نہ غرض۔ مَاكَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ(القصص:٦٨)۔ جو دکھایا دیکھا، جو سنایا سنا۔ نہ اس پر ہَٹ، نہ اس پر اصرار۔ خدا کا حکم ہوتا ہے تو لڑتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے تو ملتے ہیں۔ بہر حال خدا سے راضی رہتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ گڑگڑا کر دعائیں بھی کرتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بھی بہاتے ہیں۔ یہ یَدُاللّٰہِ ہیں۔ خدا کو دینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھ سے دیتا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ(الفتح:١٠) کہنا ہوتا ہے تو ان کی زبان سے کہتا ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ(النجم:٣ اور ٤)۔ ان کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔

زامیز دش جان و تن توئی مقصودم
وز مردن و زیستن توئی مقصودم
تو دیر بزی کہ من بہ رفتم زمیاں
گر من گویم ز من توئی مقصودم　　جامیؒ